فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا
کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا

نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسن
مراد وست مجھ کو ستانے لگا

غزل یا رباعی دیا کوئی فرد
اسی ڈھب کی پڑھنا کہ ہو جس میں درد

سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں
نہیں تو کچھ اس کی بھی خواہش نہیں

سبب یہ کہ دل سے تعلق ہے سب
نہ ہو دل تو پھر بات بھی ہے غضب

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

داستان بدرمنیر کے غم واندوہ کی اور علیش بائی کے بلانے میں

گلابی میں غنچے کی مجھ کو شتاب
پلا ساقیا کیتکی کی شراب

پیالے میں نرگس کے دے میری جاں
کہ دیکھوں میں کیفیت بوستاں

حکایت کروں ایک دن کی رقم
کہ دنیا میں توام ہیں شادی و غم

اُٹھی سوتے اک دن وہ رشک پری
کہا جا کے دیکھوں چمن کو ذری

مگر غنچہ ساں کچھ کھلے میرا دل
کہ غم نے کیا ہے نپٹ[1] مضمحل

زبس گُل سے آتی ہے بو یار کی
ہوا[2] پھر ہوئی اُس کو گلزار کی

پھر اک دن ہوا یہ کہ منہ ہاتھ دھو
چلی اُٹھ کے دالان سے سیر کو

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا

لہ نپٹ۔ بہت زیادہ ۱۲ ۲ہ خواہش

کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا
اور اک پاؤں مونڈھے سے لٹکا دیا

نہ پوچھ اُس کے پائے نگاریں کا حال
زبانِ حنا وصف میں جس کے لال

کفک[1] اور فندق سے لالہ کو داغ
نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ

طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ
سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ

جواہر کے چھلے بھرے پور پور
زری کی ٹکی جیسے مخمل پہ قور[2]

زبس سوتی اُٹھی تھی وہ نازنیں
پڑی تھی عجب ڈھب سے چین جبیں

خماری وہ انکھیاں وہ انگڑائیاں
وہ جوبن کے عالم کی سیر سائیاں

جوانی کا موسم شروع بہار
وہ سینے سے اُس کے کچ[3] کا اُبھار

نشے میں وہ آ حسن کے بیٹھنا
وہ چھب تختی اپنی کو دیکھ اینٹھنا

خواص ایک حقہ لیے تھی کھڑی
کہ لالے کی نے تھی اُس میں پڑی

وہ شیشہ کا حقہ مرصع کا کام
مغرق زری کا وہ نیچہ تمام

ولے ایک اُس پر پڑا تھا جو پیچ
یہ سب اُس کے آگے تھا گویا کہ ہیچ

لب نازک اوپر وہ مہنال دھر
نکالے تھی پردے سے دودِ جگر

اِدھر اور اُدھر ہر طرف تھی نگاہ
کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ

خواصیں کھڑی اُس کے سب گرد پیش
جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش

کوئی مورچھل لے کوئی پیک دان
کوئی لے چنگیر اور کوئی ہار پان

رسیلی چھبیلی بنی تنگ و چست
لباس اور زیور سے ہر اک درست

لہ کفک۔ ایڑی ۱۲ ۲ہ قور۔ فیتہ یا گوٹ جو کپڑوں کے کنارے پر لگی ہو ۱۲ آسی
۳ہ کچ۔ سینہ۔ چھاتی ۱۲۔ آسی

کھڑی نیچی آنکھیں کیے باادب
وہ آنکھیں کہ کرتی تھیں جیدھر نگاہ
کئی ہمدم اُس کی جو تھیں ماہرو
برابر برابر ادھر اور اُدھر
سماں اُس گھڑی کا لکھوں کیا میں آہ
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
چمن اُس گھڑی بر سرِ جوش تھا
زبس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ
پڑا عکس اُس کا جو طرفِ چمن
درختوں پر اُس کی پڑی جو جھلک
ہوئی اُس کے بیٹھے سے گلشن کو زیب
چمن نے جو اُس گل کی دیکھی بہار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
کہ اتنے میں کچھ جی میں جو آ گیا
اری ہے کوئی یاں ذرا جائیو
عجب وقت ہے اور عجب ہے سماں

اسی شرم سے پر قیامت غضب
اُدھر غش میں آتے تھے سب پھول و کاہ
بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو
وہ گرد اُس کے بیٹھی تھیں بایکدگر
ستاروں میں آ دے نظر جیسے ماہ
کہ ہر گل کی تھی اُس کے منہ پر نظر
گل و غنچہ جو تھا سو بیہوش تھا
دو بالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
کہ مہکا تمام اُس کی خوشبو سے باغ
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
زمرد کو دی اور اُس نے چمک
گیا اُڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
ہوا دیکھ اپنے گلوں کا نگار
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
وہ مہ سب کے دل میں ہوئی جلوہ گر
ادا سے لگی کہنے وہ دلربا
مری عیش بائی کو لے آئیو
کرے دو گھڑی آکے مجرا[1] یہاں

خفا ہوں مرا جی بھی مشغول ہو
کسی طرح سے دل تو لگتا نہیں
یہ سنتے ہی دوڑی گئی اک نگار[1]
وہ آنے لگی کافر اس آن سے
عجب چال سے وہ چلی نازنیں
وہ خلقت کی گرمی وہ ڈومنی[2] پنا
لٹیں منہ پہ چھوٹی ہوئیں سربسر
وہ بن پوچھے ہونٹوں کی مسی غضب
فقط کان میں ایک بالا پڑا
وہ پشواز اگرئی[3] وہ نرگس کا ہار
بندھا سر پہ جوڑا پڑی زرد شال
وہ شبنم کی انگیا بنی تنگ چست
وہ اُٹھی ہوئی چین[5] پشواز کی
وہ مہندی کا عالم وہ توڑے چھڑے
چلی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی
عجب ایک عالم تھا بے ساختہ
کئی کافریں اور بھی دل نواز

کوئی دم تو داغِ جگر پھول ہو
جلے ہے جگر دل سُلگتا نہیں
لیا عیش بائی کو اُس نے پکار
کہ جانے لگا جی مسلمان سے
کہ مستی میں پاؤں کہیں کا کہیں
نشے میں بھبھوکا سا چہرہ بنا
کہ بدلی ہو جوں مہ کے ادھر اودھر
کہ منہ پر تھی گویا قیامت کی شب
کہے تو کہ تھامہ کے ہالا پڑا
وہ کمخواب کے بندروے ازار
کمر کی لچک اور مٹک کی وہ چال
کناروں پہ مینا بنت[4] کا درست
وہ مسکی ہوئی چولی انداز کی
وہ پاؤں میں سونے کے دو دو کڑے
کڑے سے کڑے کو بجاتی ہوئی
کہ عالم تھا اک اُس پہ دل باختہ
لیے ساتھ ساتھ اُس کے سب اپنا ساز

[1] حسین معشوق ۱۲ [2] ڈومنی بن ۱۲ [3] اگرئی ۔ گہرا کشمشی رنگ ۱۲ [4] کپڑے کی لمبی چپٹ پر نقرئی اور طلائی تاروں کا کام ۔ مینا ۔ مرصع کاری ۱۲ آسی [5] چین ۔ شکن ۱۲ آسی

چلیں ایک اغماز[1] اور ناز سے ۔ کھڑی واں ہوئیں ایک انداز سے
روش پر جو تھا فرش اُس کے حضور ۔ ادب سے وہاں بیٹھیاں دور دور
ہوا حکم گوری[2] کا جو برملا ۔ لیے ساز اپنے سبھوں نے اُٹھا
دیا آسماں پر جو طبلوں کو کھینچ ۔ ہر اک تھاپ میں دل لیا سب کا اینچ
لگی گانے پٹہ[3] وہ اس آن سے ۔ نکلنے لگی جان ہر تان[4] سے
عجب تال پڑتی تھی انداز سے ۔ کہ بیکل تھی ہر تان آواز سے
وہ تھی گٹکری[5] یا لڑی نور کی ۔ مسلسل تھی اک پھلجھڑی نور کی
گل و غنچہ کی طرح محبوب تھی ۔ کھلی اور منڈی دل کو مرغوب تھی
غرض کیا کہوں اُس کا میں ماجرا ۔ عجب طرح کی بندھ گئی تھی ہوا
وہ گانے کا عالم وہ حسن بیاں ۔ وہ گلشن کی خوبی وہ دن کا سماں
گھڑی چار دن باقی اُس وقت تھا ۔ سہانا ہر اک طرف سایہ ڈھلا
درختوں کی کچھ چھاؤں اور کچھ وہ دھوپ ۔ وہ دھانوں کی سبزی وہ سرسوں کا رُوپ
لپیٹے ہوئے پوستوں پر تمام ۔ روپہلے سنہرے ورق صبح و شام
وہ لالے کا عالم ہزارے کا رنگ ۔ وہ آنکھوں کے ڈورے نشے کی ترنگ

۱؎ بظاہر غمزہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن اغماز در اصل عیب کرنا چغلی کھانا ۱۲ ۲؎ گوری - ایک راگنی کا نام یہ رات کو دو بجے گائی جاتی ہے اور اسی وقت سوہنی برج بھی گاتے ہیں ۱۲ ۳؎ ایک راگ کا نام ۱۲ ۴؎ تان - گانے کی لمبی اور بلند آواز ۱۲ - آسی ۵؎ گٹکری - گویوں کے گانے میں جو سنجیدہ سُر ہوتے ہیں اُسی کو گٹکری کہتے ہیں مُرکی بھی اسی انداز کی چیز ہے - اس کو زمزمہ اور دانا بھی کہتے ہیں - مُرکی کے جھٹکے ۱۲ عــه جمع متروک ۱۲ عــه آسمان پر طبلوں کو کھینچنا - طبلے کا سُر چڑھانا ۱۲ - آسی

گلابی سے ہو جانا دیوار و در ۔ درختوں سے آنا شفق کا نظر
وہ چادر کا چھٹنا وہ پانی کا زور ۔ ہر اک جانور کا درختوں پہ شور
وہ سرو سہی اور وہ آب رواں ۔ وہ پانی کا مستی سے بہنا وہاں
وہ اُڑتی سی نوبت کی دھیمی صدا ۔ کہیں دور سے گوش پڑتی تھی آ
وہ رقص بتاں اور وہ ستھری الاپ ۔ وہ گوری کی تانیں وہ طبلوں کی تھاپ
وہ دل پینا ہاتھ پر دھر کے ہاتھ ۔ اُچھلنا وہ دامن کا ٹھوکر کے ساتھ
نہ انسان کا ہی دل ہوا اس میں بند ۔ ہوئے محو سن کر چرند اور پرند
غرض جو کھڑے تھے کھڑے رہ گئے ۔ اُڑے جس جگہ تھے اُڑے رہ گئے
جو پیچھے تھے آگے نہ وہ چل سکے ۔ جو بیٹھے سو بیٹھے نہ پھر ہل سکے
لگی دیکھنے آنکھ نرگس اُٹھا ۔ گلوں نے دیے کان اُدھر لگا
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت ۔ کھڑے رہ گئے سرد ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور ۔ بنے مثل آئینہ دیوار و در
ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن ۔ بھرا اشک سے بلبلوں نے چمن
ہوئے نہر سے سنگپائے پگھل ۔ پڑے رالے فوارے اُس کے اُچھل
عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر ۔ کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر
بندھا اس طرح کا جو اُس جا سماں ۔ ہوا سب کے دل کا عجب حال واں
ولیکن جو کچھ دل گیوں[1] پر گیا ۔ کہ بن آئی[2] ہر اک وہاں مر گیا
لگا تھا ز بس عشق کا اُس کو تیر ۔ لگی کھینچنے آہ بدر منیر

۱؎ دل گیوں پر - یعنی عاشقوں پر ۱۲ ۲؎ بن آئی - بغیر موت ۱۲ - آسی

بندھا اُس کو عاشق کا اپنے خیال / لگی رونے آنکھوں پہ دھر کر رُمال
کہیں کا کہیں لے اُڑا اُس کو راگ / ہوا سے ہوئی اور دونی وہ آگ
لگی کہنے ہے ہے یہ دیکھوں میں سیر / نہ ہو پاس میرے وہ یادش بخیر
وہی جانے ہو جس کے کچھ دل کو لاگ / کہ معشوق بن سب ہے گلزار آگ
بھلا کیونکہ جی اُس کا خوشحال ہو / کہ ہجراں کا غم جس کے دنبال ہو
جگر میں اگر آہ کی سُول[۱] ہو / لگے خار کیسا ہی گو پھول ہو
درختوں کے عالم سے کیا ہو نہال / جسے یاد شمشاد کی ہو کمال
کرے گلشن و گل پہ کیا وہ نظر / جسے اپنے گُل کی نہ ہووے خبر
یہ کہکر اُٹھی واں سے وہ دل رُبا / چھپر کھٹ پہ جا گر گری منھ چھپا
خوشی کا جو عالم تھا ماتم ہوا / ورق کا ورق ہی وہ برہم ہوا
سب اُٹھتے ہی بس اُس کے جاتی رہیں / طوائف کہیں اور خواصیں کہیں
مری عقل اس جا پہ حیران ہے / کہ یارب یہ کیسا گلستان ہے
ہر اک وقت ہے اس کا عالم جدا / جو چاہے یہ پھر ہو تو امکان کیا
کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار / نہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

داستان بلنظیر کے غم ہجر سے بدر منیر کی بیقراری میں

پلا ساقیا ایک جام شراب / کہ پردے میں شب کے گیا آفتاب
شب ہجر کی پھر علامت ہوئی / غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

۱ کانٹا۔ درد۔ برچھی کی نوک ۱۲۔ آسی نسخہ: پلا ساقی اک جام مجکو شتاب

گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشک حور / سبھوں کو کہا تم رہو دور دور
اکیلی وہ رونے لگی زار زار / لگی اپنے عالم میں بے اختیار
گرے چشم سے اُس کے اتنے گہر / کہ دھویا اُسی آب سے منھ سحر
صبوحی[۱] تو دے ساقی لعل فام / کہ رو رو کے یہ رات کاٹی تمام
ہوا آفتاب الم جو طلوع / اُداسی کا ہونے لگا دن شروع
ذرا آئینے کے دیکھا جو رنگ / تو جوں آئنہ رہ گئی وہ بھی دنگ
بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار / کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار[۲]
فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر / لگی دل کو بہلانے ادھر اودھر
زباں پر تو باتیں و لے دل اُداس / پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس
نہ منھ کی خبر اور نہ تن کی خبر / نہ سر کی خبر نے بدن کی خبر
اگر سر کھلا ہے تو کچھ غم نہیں / جو گرتی ہے میلی تو محرم[۳] نہیں
جو مسّی ہے دو دن کی تو ہے وہی / جو کنگھی نہیں ہے تو یوں ہی سہی
جو سینہ کھلا ہے تو دل چاک ہے / غم آلودہ صبح طربناک ہے
نہ منظور سرمہ نہ کاجل سے کام / نظر میں وہی تیرہ بختی کی شام
ولیکن یہ خوبوں کا دیکھا سبھاؤ[۴] / کہ بگڑے سے دونا ہوا اُن کا بناؤ[۵]
نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی / جو بگڑی ہے بیٹھی تو گویا بنی
غرض بے ادائی ہے اُن کی ادا / بھلوں کو سبھی کچھ لگے ہے بھلا

۱ صبوحی وہ شراب جو صبح کو پی جائے ۱۲۔ ۲ فشار۔ نچوڑنا۔ کھینچنا۔ دبانا ۱۲۔ ۳ محرم۔ خبردار۔ باخبر۔ رازدار۔ آگاہ ۱۲۔ ۴ سبھاؤ۔ عادت طور طریقہ ۱۲۔ ۵ بناؤ۔ زینت ۱۲۔ عبدالباری آسی۔